فقہ الاقلیات: حقیقت، حکم اور فی سبیل اللہ کا مصداق

باسمہ تعالیٰ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درج ذیل مسئلہ میں: عکسی کاپی (فوٹو اسٹیٹ)(۱)

(سوال سے متعلق حاشیہ: استفتاء سے منسلک مضمون طویل ہونے کی بناء پر اختصار کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے)

مضمون نگار لکھتے ہیں:

(۱) یہاں ایک دو مثالیں پیش کی جارہی ہیں جن سے عہد حاضر میں فقہ الاقلیات کی اہمیت پر روشنی پڑتی ہے:

(الف): یورپ میں ''یورپین کونسل فار فتویٰ اینڈ ریسرچ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا ہے جس کے صدر شیخ یوسف قرضاوی ہیں۔ جولائی ۲۰۰۱ء میں اس کا ایک اجلاس منعقد ہوا، جس میں اس مسئلے پر غور کیا گیا کہ یورپ میں اہل کتاب سے تعلق رکھنے والے میاں بیوی کے درمیان بیوی مسلمان ہوجاتی ہے اور شوہر اپنے دین پر قائم رہتا تھا، مجلس نے گہرائی کے ساتھ اس مسئلے پر غور وفکر کیا اور یورپ میں مسلم اقلیت کے مخصوص حالات کی بناء پر یہ فیصلہ کردیا کہ کسی بھی مسلم عورت کے لیے ابتداءً غیر مسلم مرد کے ساتھ شادی کرنا حرام ہے، لیکن اگر بیوی شادی کے بعد مسلمان ہوئی ہو اور شوہر اپنے مذہب پر قائم ہو، دونوں کے درمیان جسمانی تعلق بھی قائم ہو چکا ہو اور مدتِ عدت بھی گزر چکی ہو، تو عورت اپنے شوہر کے اسلام لانے کا انتظار کرے، خواہ یہ کتنا ہی طویل کیوں نہ ہو، پھر اگر شوہر اسلام لے آئے تو دونوں پہلے نکاح پر باقی سمجھے جائیں گے اور اس نکاح کی تجدید کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔

یورپ کے اس ادارے کا یہ فتویٰ مذاہب اربعہ کے فیصلے سے مختلف ہے، مگر اس میں مقامی حالات کی رعایت پوشیدہ ہے۔ مذاہب اربعہ کے نزدیک تو ایسی نومسلم عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ عدت گزارنے کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ رہے، یا اس کو اپنے ساتھ جسمانی تعلق قائم کرنے دے، لیکن مذاہب اربعہ سے ہٹ کر بعض علماء کی رائے ہے کہ عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ اپنے اسی شوہر کے ساتھ رہے، ان تمام حقوق وواجبات کے ساتھ جو بیوی ہونے کے ناطے وارد ہوتے ہیں؛ بشرطیکہ وہ امید کرتی ہو کہ شوہر اسلام لے آئے گا اور شوہر کے ساتھ رہنا عورت کے دین میں کوئی رکاوٹ نہ بنے گا، یہ رائے یورپ کے اس ادارے نے اس حکمت کے تحت قائم کی ہے کہ کہیں عورتیں یہ جان کر اسلام میں داخل ہونے سے نہ رک جائیں کہ اسلام لانے سے ان کا =

ارسال خدمت ہے؟

سوال: ﴿۵﴾……(ا) صاحب مضمون نے فقہ الاقلیت پر کافی زور دیا ہے۔

(الف) فقہ الاقلیت سے مقصود و مراد کیا ہے؟

(ب) اور شرعی نقطۂ نظر سے جواز و عدم جواز کے بارے میں اس کی حقیقت کیا ہے؟

= اپنے شوہروں کو چھوڑنا اور خاندان کو خیر باد کہنا لازم آئے گا۔ اس رائے کے حامل علماء اپنی دلیل میں حضرت عمر بن الخطابؓ کے اس فیصلے کا حوالہ دیتے ہیں، جو آپ نے ''حیرہ'' میں رہنے والی اس عورت کے بارے میں دیا تھا جو خود اسلام لائی تھی، مگر اس کا شوہر مسلمان نہیں ہوا تھا کہ وہ اگر چاہے تو اس آدمی کو چھوڑ دے یا اسی کے ساتھ رہے۔

اسی طرح علماء کرام حضرت علیؓ کی اس رائے کو بھی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی عیسائی عورت جو کسی یہودی یا عیسائی مرد کی بیوی ہو، اسلام لے آئے تو چوں کہ اس کے ساتھ ایک عہد ہو چکا ہے؛ اس لیے اس مرد کا اس عورت کے جسم پر حق رہے گا۔ یہی رائے ابراہیم نخعیؒ، شعبیؒ اور حماد بن ابی سلیمانؒ سے ثابت ہے۔

فقہ الاقلیات کا مطلب یہی ہے کہ موجودہ عہد کے تبدیل شدہ حالات میں مختلف علماء کے اقوال کی روشنی میں بہتر فیصلہ کیا جائے، خواہ وہ روایتی فقہی مسلک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ مذکورہ بالا مسئلے میں ''تیسیر'' اور ''رفع حرج'' کے اصول کو بھی سامنے رکھا گیا ہے اور نص سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

(ب) ہم یہاں پر صرف علامہ قرضاوی کی کتاب ''فقه الأقليات المسلمة'' کا حوالہ دیں گے جس میں انہوں نے ''یوروپین کونسل فار فتویٰ اینڈ ریسرچ'' کے صدر کی حیثیت سے ایک استفتاء کا جواب دیا ہے۔ فتویٰ پوچھنے والے نے ان سے یہ دریافت کیا تھا کہ ''یورپ'' یا ''امریکہ'' کے ایک شہر میں اسلامک سنٹر قائم کرنے کے لیے (جس میں مسجد، لائبریری، عورتوں کے لیے نماز کی علاحدہ جگہ، امام و خطیب کی قیام گاہ اور دیگر سہولیات مہیا کی جائیں گی) زکوٰۃ کی رقم حاصل کی جاسکتی ہے؟ شیخ قرضاوی نے ''بناء المركز الإسلامية عن أموال الزكوٰة'' کے عنوان کے تحت اس کا جواب دیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں مصارف زکوٰۃ بیان کیے گیے ہیں ان میں ایک مصرف ''في سبيل الله'' بھی ہے، في سبيل الله کے الفاظ میں قدیم مفسرین اور جمہور فقہاء ''میدانی جہاد'' مراد لیتے ہیں، اس زمانے میں میدانی جہاد کے مواقع شاذ و نادر پیش آتے ہیں؛ لیکن کسی ملک میں دینی اعتبار سے مسلمانوں کی پوزیشن مستحکم کرنا، ان کو دین کے بارے میں واقفیت بہم پہنچانا، اسلام یا مسلمانوں کے بارے میں غیر مسلموں کے شکوک و شبہات دور کرنا، اور غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانا، مسلمانوں کو عددی اور معنوی دونوں اعتبار سے طاقتور بنانا، یہ سارے کام ''في سبيل الله'' کے دائرے میں آتے ہیں اور اس دور کا جہاد یہی ہے، اگر اسلامی سینٹر قائم کرنے والے مخلص، بے ریا اور امانت دار ہوں اور ملت کا اعتماد انہیں حاصل ہو تو اس صورت میں ملت اسلامیہ کی مجموعی بہبود کو سامنے رکھ کر، سینٹر کے قیام کے لیے زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا درست ہوگا۔

www.fiistudio.com

www.fiistudio.com

(۲) ''في سبيل الله'' کی تفسیر میں بحوالہ علامہ ''یوسف قرضاوی'' بہت سی اقسام قلم برداشتہ تحریر فرمادی ہیں یہ کہاں تک صحیح ہے؟ المستفتی حکیم عبدالرؤف عفی عنہ قاسمی (۵۹۲/د ۱۴۳۲ھ)

الجواب وباللہ التوفیق، حامداومصلیا ومسلما:

(۱)(الف وب) ''فقہ الاقلیات'' کی اصطلاح اس دورِ جدید کی ایجاد ہے، قدیم فقہاء کی کتابوں میں اس طرح کا کوئی عنوان نہیں ملتا؛ البتہ اگر مسلمان کسی ملک میں اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں، یا انہیں اسلامی قانون پر عمل کرنے کی کھلی اجازت نہیں ہے، یا بعض احکام پر عمل پیرا ہونا دشوار ہے وغیرہ، ان جیسی صورتوں کے مخصوص احکامِ شرعیہ، فقہاء کرام نے مختلف ابواب کے ضمن میں بیان کیے ہیں، ممکن ہے کہ اس طرح کے مسائل کو مستقل طور پر یکجا جمع کردیا گیا ہو اور ان کا نام ''فقہ الاقلیات'' رکھ دیا گیا ہو؛ لیکن اس کی پوری حقیقت، اس کا پس منظر، اس کے موجدین کے متعلق تفصیلی معلومات ہمیں نہیں ہے۔

بہرحال صرف مسلمانوں کے کسی ملک میں عدداً کم ہونے یا وہاں کی تہذیب وثقافت کے مختلف ہونے کی وجہ سے، امت کے اجماعی مسائل یا نصوص قرآن وحدیث کے خلاف کوئی راہ اپنانا قطعاً جائز نہیں، اس طرح کے حالات ہر زمانہ میں پیش آتے رہے ہیں اور وقت کے بالغ نظر علماء نے شرعی نصوص کے دائرے میں رہ کر احکام کا استنباط کیا ہے؛ لیکن مسلّماتِ شرعیہ سے خروج کو کسی طرح جائز نہیں سمجھا، لہٰذا کسی مسلمان خاتون ——— خواہ شروع سے مسلمان ہو یا غیر مسلم مرد سے شادی کے بعد مسلمان ہوئی ہو——— کے لیے اپنے کفر وشرک پر قائم خاوند کے ساتھ آئندہ رہنے کی قطعاً گنجائش نہیں، اس امید پر کہ وہ شوہر بھی اسلام قبول کرلے گا۔ شوہر بیوی میں سے کسی ایک کے مسلمان ہونے کی مثالیں اور نظائر تو عہدِ نبوی میں بھی ملتے ہیں؛ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات کے پیشِ نظر احکامِ شرعیہ کے ساتھ سمجھوتہ نہیں کیا مثلاً: اسلام سے پہلے بعض صحابۂ کرامؓ کے نکاح میں چار سے زائد بیویاں تھیں ''عن الحارث عن قيس قال: أسْلمت وعندي ثمان نسوة، فذكرت ذلك للنّبي – صلّى الله عليه وسلّم – فقال النّبي – صلّى الله عليه وسلّم –: اخترمنهنّ أربعًا'' (۱)، اور بعض کے نکاح میں دو سگی (حقیقی) بہنیں تھیں ''عن الضّحاك بن فيروز، عن أبيه قال: قلت: يارسول الله! إنّي أسلمت وتحتي أختان؟ قال: طلّق أيتها شئتَ'' (۲)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) سنن أبي داوٗد: رقم: ۲۲۴۱، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع.

(۲) أخرجه أبوداوٗد: رقم: ۲۲۴۳، الباب السابق.

www.fiistudio.com

www.fiistudio.com

اسلام لانے کے بعد انھیں اسی حالت میں رہنے کی اجازت نہیں دی؛ بلکہ صرف چار ہی بیویاں رکھنے کی اجازت دی اور دو بہنوں میں سے ایک کو طلاق دے کر جدا کرنے کا حکم دیا؛ حالاں کہ وہاں بھی یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہ لوگ اس ملک (عرب) میں اقلیت میں ہیں اور نئے نئے مسلمان بھی ہو رہے ہیں، اگر اپنی سابقہ حالت پر قائم نہ رہنے دیا جائے گا، تو ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ اسلام قبول نہ کریں، اس خوف سے کہ ہمیں تو اپنی بیوی سے ہاتھ دھونا پڑے گا جب کہ یہ مصلحت وہاں بھی داعی بن سکتی تھی کہ ایک ساتھ دس بیویاں یا دو حقیقی بہنیں ایک شخص کے نکاح میں رہیں گی، تو شوہر کی صحبت اور اس کے اخلاق وکردار سے متاثر ہو کر بیویاں بھی اسلام قبول کرلیں گی؛ لیکن ان تمام احتمالات کا قطعًا اعتبار نہیں کیا گیا تو آج یورپ، امریکہ وغیرہ میں اس طرح کی صورتِ حال پیدا ہونے پر مُبیّنہ احتمالات کی وجہ سے حضور ﷺ کے عمل، نیز اجماعی مسئلے کی خلاف ورزی کرنے کی ہرگز گنجائش نہیں ہوگی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ''یورپین کونسل فار فتویٰ اینڈ ریسرچ'' کا منسلکہ فیصلہ کہ مسلمان ہونے کے بعد بھی عورت کو اپنے سابق کافر شوہر کے ساتھ رہنے کی اجازت ہے، بالکل غیر شرعی اور خارق للاجماع ہے۔ رہے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے آثار، تو چوں کہ مضمون نگار نے ان کا کوئی حوالہ نہیں دیا؛ اس لیے ان کی حیثیت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں! ان (آثار) کے خلاف حضرت عمرؓ کا فیصلہ منقول ہے؛ چناں چہ صاحبِ بدائع نے نقل کیا ہے کہ ''بنو تغلب'' کے ایک شخص کے نکاح میں ایک خاتون تھی جس نے اسلام قبول کرلیا تھا؛ لیکن شوہر نے اسلام قبول نہیں کیا تو حضرت عمرؓ نے دونوں کے درمیان تفریق کردی (یہ روایت سننِ سعید بن منصور میں تفصیل سے مذکور ہے)، نیز امام بخاریؒ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے "**إذا أسْلَمَتْ النّصرانيّة قبل زوجها بساعة حرمت عليه**" یعنی اگر کوئی نصرانی خاتون اپنے شوہر سے پہلے مسلمان ہوجائے گی اگرچہ تھوڑی دیر پہلے ہو، پھر بھی وہ (خاتون) اس (اپنے سابق شوہر) پر حرام ہوجاتی ہے۔

(۲) ''**في سبيل الله**'' لفظی معنی کے اعتبار سے بہت عام ہے، اس میں وہ تمام امور داخل ہو سکتے ہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے کیے جائیں؛ لیکن صحابۂ کرام جنھوں نے براہِ راست قرآن کریم کو رسول اکرم ﷺ سے پڑھا اور سمجھا ہے، ان کی اور ائمہ تابعین کی جتنی تفسیریں اس لفظ کے متعلق منقول ہیں ان تمام میں اس لفظ کو حجاج اور مجاہدین کے لیے مخصوص قرار دیا گیا ہے، اور ایک حدیث

www.fiistudio.com
www.fiistudio.com

میں ہے: کہ ایک شخص نے اپنا ایک اونٹ ”في سبيل اللّٰه“ وقف کر دیا تھا، تو آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا کہ اس اونٹ کو حجاج کے سفر میں استعمال کرو”روي أن رجلاً جعل بعيرًا له في سبيل اللّٰه، فأمر رسول اللّٰه ــ صلّى اللّٰه عليه وسلّم ــ أن يُحْمَل عليه الحجّ“ (۱)

امام ”ابن جریرؒ“، ”ابنِ کثیرؒ“ قرآن کریم کی تفسیر، روایاتِ حدیث ہی سے کرنے کی پابندی کرتے ہیں، ان سب نے لفظ ”في سبيل اللّٰه“ کو ایسے مجاہدین اور حجاج کے لیے مخصوص کیا ہے جن کے پاس جہاد یا حج کا سامان نہ ہو، اور جن فقہاء نے طالب علموں یا دوسرے نیک کام کرنے والوں کو اس میں شامل کیا ہے تو اس شرط کے ساتھ کیا ہے، کہ وہ فقیر و حاجت مند ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ فقیر اور حاجت مند خود ہی مصارفِ زکوٰۃ میں سب سے پہلا مصرف ہیں، ان کو ”فی سبیل اللہ“ کے مفہوم میں شامل نہ کیا جاتا، جب بھی وہ مستحقِ زکاۃ تھے؛ لیکن ائمہ اربعہ اور فقہائے امت میں سے یہ کسی نے نہیں کہا کہ رفاہ عام کے اداروں اور مساجد و مدارس کی تعمیر اور ان کی جملہ ضروریات مصارفِ زکاۃ میں داخل ہیں، بل کہ اس کے خلاف اس کی تصریحات فرمائی ہیں کہ مال زکاۃ ان چیزوں میں صرف کرنا جائز نہیں، فقہائے حنفیہ میں سے ”شمس الأئمہ سرخسی“ نے مبسوط اور شرح سیر میں اور فقہائے شافعیہ میں سے ”ابوعبید“ نے ”کتاب الاموال“ میں اور فقہائے مالکیہ میں سے ”دردیرؒ“ نے ”شرح مختصر خلیل“ میں اور فقہائے حنابلہ میں سے ”موفق“ نے ”مغنی“ میں اس کو پوری تفصیل سے لکھا ہے، ائمہ تفسیر اور فقہائے امت کی مذکورہ تصریحات کے علاوہ اگر ایک بات پر غور کر لیا جائے تو اس مسئلے کے سمجھنے کے لیے بالکل کافی ہے، وہ یہ کہ اگر زکاۃ کے مسئلے میں اتنا عموم ہوتا کہ تمام طاعات وعبادات اور ہر قسم کی نیکی پر خرچ کرنا اس میں داخل ہو، تو پھر قرآن میں ان آٹھ مصرفوں کا بیان (معاذ اللہ) بالکل فضول ہوجاتا ہے اور رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے .... کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مصارف صدقات متعین کرنے کا کام نبی کو بھی سپرد نہیں کیا؛ بلکہ خود ہی آٹھ مصرف متعین فرما دیے (۲)، تو اگر ”فی سبیل اللہ“ کے مفہوم میں تمام طاعات اور نیکیاں

(۱) المبسوط للسّرخسي. باب عشر الأرضين: ۱۰/۳، ناشر: دار المعرفة بيروت.

(۲) عن زياد بن الحارث الصدائي، قال: أتَيت رسول اللّٰه– صلى اللّٰه عليه وسلم – فبايعته فذكر حديثًا طويلاً، قال: فأتاه رجل، فقال: أعطِني من الصّدقة، فقال له رسول اللّٰه –صلّى اللّٰه عليه وسلّم =

www.fiistudio.com

www.fiistudio.com

داخل ہیں اوران میں سے ہرایک میں زکاۃ کا مال خرچ کیا جاسکتا ہے تو معاذ اللہ یہ ارشادِ نبوی بالکل غلط ٹھہرتا ہے، معلوم ہوا کہ ''فی سبیل اللہ'' کے لغوی ترجمہ سے جو ناواقف کو عموم سمجھ میں آتا ہے وہ اللہ تعالی کی مراد نہیں ہے؛ بل کہ مراد وہ ہے جو رسول کریم ﷺ کے بیان اور صحابہ و تابعین کی تصریحات سے ثابت ہے (معارف القرآن: ۴/۴۰۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ ''في سبيل الله'' میں اس قدر عموم کرنا کہ مدارس یا مساجد کی تعمیر کرنے اور دیگر دینی ضروریات میں خرچ کرنے ،چینل قائم کرنے کو داخل کرنا خلافِ اجماع ہے''ولا يجوز أن يبني بالزّكاة المسجد وكذا القناطير والسّقايات وإصلاح الطرقات إلخ'' (۱)، اور تمام متقدمین مفسرین (جن میں صحابہ، تابعین اور بعد کے مفسرین شامل ہیں) کے خلاف ایک نئی راہ قائم کرنا، جس کی قطعاً اجازت نہیں۔

املاہ الاحقر زین الاسلام قاسمی الہ آبادی نائب مفتی دارالعلوم دیوبند ۲۷/۳/۳۲ھ

الجواب صحیح: محمود حسن غفرلہ بلندشہری، وقارعلی غفرلہ،

فی سبیل اللہ

الف: فی سبیل اللہ کا آپ کے نزدیک مصداق کیا ہے؟ فی سبیل اللہ کے دائرے میں کون کون لوگ آتے ہیں؟ اوراس کے دائرے کی وسعت کہاں تک ہے؟۔

جواب: فی سبیل اللہ کا مصداق اصالۃً تو وہی ہے جو عہدِ صحابہ وتابعین میں معروف تھا، جس کو تمام ائمہ نے نقل کیا ہے، اور وہی عہدِ نزولِ قرآن میں عام طور سے متعارف تھا، اور چاروں ائمہ اس کے قائل ہیں، یعنی ''غازی'' اور'' مجاہد فی سبیل اللہ''، لفظ ''فی سبیل اللہ'' کا یہ مصداق اتنا مشہور ومتعارف ہے کہ اس پر کسی دلیل کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ لفظ اپنے عام لغوی معنی میں نہیں ہے، یہ قرآن وسنت کی ایک مخصوص اصطلاح ہے، جسے منطق کے عرف میں ''منقول شرعی'' کہتے ہیں، بلکہ جس عہد میں قرآن نازل ہورہا تھا اس وقت کے لحاظ سے یہ ''منقول عرفی'' ہے۔اس کا معنی اس دور میں وہی سمجھا جاتا تھا جو اوپر مذکور ہوا۔مطلق بولے جانے کی صورت میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی ذہنوں میں نہیں آتا تھا۔پس اس کا یہ مفہوم متواتر اور قطعی ہے، اس میں کسی طرح کے تردد اور ریب کی گنجائش نہیں ہے۔

اب رہا یہ کہ بعض اکابر سلف سے اس کا مصداق ''حاجی'' منقول ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غازی مراد نہیں ہے، غازی تو بالاتفاق مراد ہے، اور یہی اصل ہے۔ان اکابر کا مقصد یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے دائرے میں حاجی بھی داخل ہے، حاجی اس کا اصل مفہومِ اصطلاحی نہیں ہے، اسی وجہ سے غازی مراد لینے میں کسی نے بجز اس کے کوئی دلیل نہیں پیش کی ہے کہ یہ لفظ عام طور سے اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں حوالے آگے آرہے ہیں، البتہ جن لوگوں نے اس کے مفہوم میں حاجی کو داخل کیا ہے اس کے لئے انہیں چوں کہ استعمال وعرف سے

www.fiistudio.com
www.fiistudio.com

دلیل نہیں ملی، اس لئے احادیث سے دلیل کا سہارا لینا پڑا، بلکہ صحیح لفظوں میں یہ ہے کہ چند ایک احادیث ہی کی وجہ سے انہوں نے حاجی کو اس مفہوم میں داخل کیا ہے۔

"عن ام معقل قالت: لما حج رسول الله ﷺ حجة الوداع و کان لنا جمل فجعله ابو معقل فی سبیل الله واصابنا مرض وهلک ابو معقل وخرج النبی ﷺ فلما فرغ من حجه جئتُه فقال یا ام معقل مامنعک ان تخرجی معنا؟ قالت: لقد تهیأنا فهلک ابو معقل و کان لنا جمل هو الذی نحج علیه فاوصی به ابو معقل فی سبیل الله قال: فهلا خرجتِ علیه فان الحج فی سبیل الله، فاما اذ فاتتک هذه الحجة معنا فاعتمری فی رمضان فانها کحجة".
مختصراً (ابوداؤد ۲/۵۰۶۔ مطبوعہ بیروت)

حضرت ام معقل سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا اور ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جسے ابو معقل نے فی سبیل اللہ وقف کر دیا اور ہم کو مرض لاحق ہوا جس میں ابو معقل کا انتقال ہوگیا، نبی ﷺ حج میں تشریف لے گئے، پھر حج سے فارغ ہوکر واپس تشریف لائے تو میں آپ کے پاس حاضر ہوئی، آپ نے فرمایا کہ ام معقل کیا بات ہوئی کہ تم ہمارے ساتھ حج میں نہیں گئیں؟ میں نے عرض کیا کہ ہم نے تیاری کر رکھی تھی، لیکن ابو معقل کا وصال ہوگیا، اور ہمارے پاس ایک اونٹ تھا جس پر ہم حج کرتے، انہوں نے اسے فی سبیل اللہ وقف کر دیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسی پر چلنا چاہئے تھا، کیوں کہ حج تو فی سبیل اللہ ہے۔ خیر اب تو ہمارے ساتھ تمہارا حج فوت ہوگیا، اب تم رمضان میں عمرہ کرلو وہ حج کے برابر ہے۔

اسی معنی میں اور بھی روایتیں ہیں، ان میں ذکر ہے کہ ام معقل نے اپنے شوہر سے مطالبہ کیا کہ سفر حج کے لئے مجھے اونٹ دیدو، انہوں نے اس کے فی سبیل اللہ ہونے کا عذر بیان کیا، دریافت کرنے پر رسول اللہ ﷺ نے حج کے لئے اونٹ دینے کا حکم دیا کہ یہ بھی فی سبیل اللہ ہے۔

اس حدیث سے بلاشبہہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حج بھی فی سبیل اللہ کا ایک فرد ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ بات بھی بہت نمایاں طور پر ثابت ہوتی ہے کہ فی سبیل اللہ کا مصداق

www.fiistudio.com
www.fiistudio.com

حضرات صحابہ کرام کے نزدیک حج نہیں تھا (صرف جہاد تھا) کیوں کہ اگر ان کے عرف میں حج اس کا مصداق ہوتا تو ام معقل حضور اکرم ﷺ کے ساتھ آپ کے آخری حج کی سعادت سے محروم ہونا گوارا نہ کرتیں، وہ خود بخود ساتھ ہو جاتیں، یا اگر شبہہ کے درجے میں بھی فی سبیل اللہ کا مصداق حج کو سمجھتیں تو آپ سے دریافت کرلیتیں، لیکن جب ایسا نہیں ہوا، حالانکہ ان پر حج فرض تھا، جانے کا شوق بھی تھا، تیاری بھی تھی، مگر نہ گئیں، اور نہ مسئلہ دریافت کیا، تو یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ حضرات صحابہ کرام کے عرف میں فی سبیل اللہ کا ایک ہی مصداق متعین تھا۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے امت کی سہولت کے پیشِ نظر مرضیٔ حق پا کر فی سبیل اللہ کے لغوی مفہوم پر نظر فرماتے ہوئے اس میں حج کو بھی داخل فرمادیا، تو درحقیقت یہ اس کا مصداق نہیں ہے، مصداق میں بہ لحاظ عمومِ لفظ کے داخل ہے، اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیتِ تطہیر میں اہل بیت کا تذکرہ فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً".

(سورہ احزاب)

اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ تم سے اے اہل بیت! نجاست دور کردیں، اور تم کو اچھی طرح پاک وصاف کردیں۔

یہ آیت ظاہر ہے اور سیاقِ کلام شاہد ہے کہ "ازواج مطہرات" کے حق میں نازل ہوئی ہے، اور وہی اس کا مصداقِ اول ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی، نواسوں اور داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اس لفظ کے عموم میں داخل فرمایا، اور فرمایا۔

اللھم ھؤلاء اھل بیتی۔ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس موقع پر آپ نے مذکورہ بالا آیت بھی تلاوت فرمائی، ظاہر ہے کہ آپ نے یہ اہتمام اس لئے فرمایا کہ اہل بیت کے مفہوم میں ازواج مطہرات کا شامل ہونا تو بدیہی تھا لیکن مذکورہ بالا حضرات کا اس مفہوم میں داخل ہونا واضح نہ تھا، اس لئے آپ نے اہتمام کرکے اس میں داخل فرمایا۔

علاوہ ازیں مصارفِ زکوۃ میں آئے ہوئے "فی سبیل اللہ" کے لفظ میں "حاجی" کے

www.fiistudio.com
www.fiistudio.com

داخل ہونے کے سلسلے میں ایک اشکال ہے، وہ یہ کہ کیا اس حدیث کو مذکورہ فی سبیل اللہ کی تفسیر میں پیش کرنا برمحل اور مناسب ہے؟ ظاہر ہے کہ حدیث میں فی سبیل اللہ ایک دوسرے موقع سے آیا ہے، گو کہ وہاں بھی فی سبیل اللہ کا اصل معنی غزوہ ہی ہے مگر اس جگہ مسئلہ وقف کا ہے اور یہاں زکوۃ کا ہے، اور جس قدر احتیاط اور اہتمام زکوۃ میں درکار ہے جو اسلام کے بنیادی فرائض میں سے ایک ہے، اس قدر اہتمام واحتیاط وقف کے مسئلے میں نہیں ہے، کیوں کہ اس کا تعلق فرائض سے نہیں ہے۔

بہر حال حالتِ اطلاق میں اس کا مصداق غزوہ وجہاد ہے، لفظ کے عموم لغوی کی مناسبت سے حج بھی اس میں داخل ہے۔ رہا یہ کہ امام کاسانی صاحب بدائع الصنائع نے یہ جو تحریر فرمایا ہے کہ۔

"واما قوله تعالى وفى سبيل الله عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى فى طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجاً". (بدائع الصنائع ۴۵/۲)

رہا اللہ تعالی کا ارشاد "وفی سبیل اللہ" یہ عبارت ہے تمام قربتوں سے، اس لئے اس میں ہر وہ شخص داخل ہے جو اللہ کی اطاعت میں سرگرم ہے، اور بھلائی کی راہوں میں کوشاں ہو، جبکہ وہ محتاج ہو۔

تو یہ اس بات میں بالکل واضح ہے کہ صاحب بدائع نے یہاں فی سبیل اللہ کا مصداق نہیں متعین کیا ہے، بلکہ اس کی عام لغوی تشریح کر کے اس کے تحت کارہائے خیر کو داخل فرمایا ہے، اس کا مصداق انہوں نے بعد میں ائمہ سے نقل کیا ہے، چنانچہ اس کے معاً بعد فرماتے ہیں کہ۔

"وقال ابو يوسف المراد منه فقراء الغزاة لان فى سبيل الله اذا اطلق فى الشرع يراد به ذالک وقال محمد المراد منه الحاج المنقطع". (بدائع الصنائع ۴۶/۲)

امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اس سے فقراءِ مجاہدین مراد ہیں، کیوں کہ جب فی سبیل اللہ شریعت میں مطلق بولا جاتا ہے تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے، اور امام محمد نے فرمایا کہ اس سے

مراد منقطع حاجی ہے۔

صاحب بدائع کا ہرگز یہ مقصود نہیں ہے کہ جتنے کارِ خیر ہیں سب فی سبیل اللہ (جو آیت میں مذکور ہے) کا مصداق ہیں، البتہ فی سبیل اللہ کے لغوی معنی کے عموم کے تحت داخل ہیں، کسی کے تحت کسی مناسبت سے داخل ہونا امرِ دگر ہے، اور اس کا مصداق ہونا امرِ آخر ہے، علامہ ابن اثیر تحریر فرماتے ہیں:

وفی سبیل الله عام یقع علی کل عمل خالص سلک به طریق التقرب الی الله عز وجل باداء الفرائض والنوافل وانواع التطوعات واذا اطلق فهو فی الغالب واقع علی الجهاد حتی صار لکثرة الاستعمال کانه مقصور علیه". (تاج العروس، بحوالہ النہایہ ۳۶۶/۷)

اور فی سبیل اللہ عام ہے ہر اس خالص عمل پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعے اللہ کے تقرب کی راہ طے ہو، خواہ فرائض ہوں، نوافل ہوں، یا مختلف مستحبات وغیرہ، لیکن جب مطلق بولا جاتا ہے تو اکثر اس کے معنی جہاد کے ہوتے ہیں یہاں تک کہ کثرتِ استعمال کی وجہ سے گویا اس کا معنی صرف یہی رہ گیا ہے۔

علامہ ابن اثیر کی اس تحریر سے سبیل اللہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی خوب واضح ہے، بہر حال آیت میں فی سبیل اللہ اپنے لغوی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، ورنہ تو خود زکوۃ دینے والا بھی فی سبیل اللہ کا مصداق قرار پا کر بنصِ قرآنی زکوۃ لینے کا مستحق قرار پا جائے گا۔ **وانی ذالک**

مصارفِ زکوۃ کی بحث میں "انما" کے حصر کی بحث لانے کی ضرورت نہیں ہے، حصر کے حقیقی ہوتے ہوئے بھی فی سبیل اللہ کو عام کر کے اس میں بہت سے کارِ خیر داخل کئے جا سکتے ہیں، تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے کہ یہ حصر حقیقی ہے یا اضافی؟ مقصد تو حقیقی ہونے کی صورت میں بھی ان حضرات کا حاصل ہو جاتا ہے جو فی سبیل اللہ کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ جب ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ حصر حقیقی ہے تو اس کے خلاف جانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے چند احادیث لکھ کر بجائے اس کے کہ ان کے مفاہیم کو آٹھوں اصناف میں سے کسی میں داخل کرتے، حصر کے اضافی ہونے کا نظریہ پیش کیا،

www.fiistudio.com

www.fiistudio.com